نقطہء نظر

منیر سامی

خواتین کا عالمی دن، پاکستان، اور برونڈی

گزشتہ ہفتہ آپ نے خواتین کے عالمی دن کے بارے میں غلغلہ سنا ہوگا۔ پاکستان کی خبریں بھی آپ کی نظر سے گزریں ہوں گی جہاں مختلف مواقع پر یہ دن منایا گیا اور کہیں کہیں پاکستان کی بعض باہمت اور رہنما صفت خواتین کو بجا طور پر اعزازات وغیرہ سے نوازا گیا۔ ان میں ملالہ اور اس کی ساتھی، شیری رحمان اور دیگر پیشہ ور خواتین بھی شامل تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قسم کے عارضی انعام واکرام اور سالانہ جشنوں سے پاکستان کی خواتین کو ان کے وہ حقوق مل گئے جو دنیا کے ہر مہذب ملک کی خواتین کو حاصل ہیں۔ یہ سمجھنے کے لیئے خود احتسابی کی ضرورت ہے جب ہی ہم جان سکیں گے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ تب ہی ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہمیں کس بلندی پر پہنچنا ہے اور ہمارا سفر کس قدر دشوار یا آسان ہے۔

اگر ہم صدقِ دل سے معروضی طور پر غور کریں تو یہ حقیقت ہم پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلامی معاشروں میں، تیسری دنیا کے ملکوں میں جن میں بھارت بھی شاملہے، ترقی پذیر معاشروں، میں اور بالخصوص ان معاشروں میں جہاں سیاست، ریاست، اور سماج میں کسی بھی مذہب اکا عمل دخل ہو وہاں خواتین مردوں کی ملکیت جانی جاتی ہیں یا انہیں مردوں کے طابع رہنا پڑتا ہے۔ پاکستان بھی ان ہی ممالک میں شامل ہے۔

قیامِ پاکستان سے اب تک پاکستانی خواتین دوسرے درجہ کی شہری کی حیثیت رکھتی ہیں، اور انہیں بسا اوقات مردوں کے جبر اور شدید ترین تشدد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، کبھی عزت اور غیرت کے نام پر اور کبھی معاشی اور سماجی اقدار کے نام پر۔ اس جبر کے باجود قیامِ پاکستان کے بعد ہی سے بعض جرات مند خواتین اپنے اور اپنی ہم جنسوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتی رہیں ہیں، اور مردوں کی معاشی برابری کے عشق میں جدوجہد کرتی رہی ہیں۔ اور بقول فیض ان پر بھی ''اس عشق میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری، تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار''۔ پاکستا کے اخباروں میں وہ تصویریں آج بھی شایع ہوتی ہیں جن میں حق مانگنے والی خواتین کو برسرِ بازار نہ صرف بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جاتا ہے بلکہ کوچہ و بازار میں برہنہ گشت بھی کرایا جاتا ہے۔

خواتین کے مساوی حقوق کی طویل جدوجہد میں پاکستان کے اولین دنوں میں ممتاز مصنفاؤں ہاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور نے برسرِ بازار آواز بلند کی اور ہمت کا پرچم بلند کیا۔ پھر فہمیدہ ریاض، زاہدہ حنا، کشور ناہید، اسما جہانگیر، حنا جیلانی، ملیحہ لودھی، اور شیری رحمان جیسی عمل پرست، خواتین کے حقوق کی مشعل بردار بن کر عوام میں آیئں اور ان کا عمل آج بھی مشعلِ راہ ہے۔ خود ہمارے کینیڈا میں ممتاز شاعرہ نسیم سید بھی اس صفِ دلا وراں میں شامل ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر ہم آئیندہ سطور میں کریں گے۔

پاکستان کی خواتین کے بارے میں ہم فہمیدہ ریاض کے مجموعہ کلام ''میں مٹی کی مورت ہوں'' سے ایک نظم کی سطور آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جن سے آپ کو خواتین کی حالت اور ان کے جذبوں کے بارے میں کچھ اندازہ ہوگا، ہم یہ نظم اس تحریر میں بصورتِ نثر پیش کر رہے ہیں کیونکہ اس صفحہ کی تنگی اسے نظم کی طرح لکھنے میں مانع ہے۔ نظم کا عنوان ہے، ''ایک لڑکی سے'': سنگدل رواجوں کی یہ عمارتِ کہنہ، اپنے آپ پر نادم، اپنے بوجھ سے لرزاں، جس کا ذرہ ذرہ ہے، خود شکستگی ساماں، سب جھکی ہوئی کڑیاں۔ سنگ دل رواجوں کے خستہ حال زنداں میں! اک صدائے مستانہ! ایک رقصِ رندانہ! یہ عمارتِ کہنہ ٹوٹ بھی تو سکتی ہے، یہ اسیر شہزادی چھوٹ بھی تو سکتی ہے۔ یہ اسیر شہزادی! جبر و خوف کی دُختر، واہموں کی پروردہ، مصلحت سے ہم بستر، ضعف و یاس کی مادر، جب نجات پائے گی، سانس لے گی دیّوانہ، محوِ رقصِ رندانہ، اپنی ذات پائے گی۔ تو ہے وہ زنِ زندہ، جس کا سرخ ہے شعلہ، جس کی روح آہن ہے، جس کا نُطق گویا ہے، بازؤں میں قوت ہے، انگلیوں میں صناعی، ولولوں میں بیباکی۔۔۔۔ مادرِ خداوندی، آدمی کی محبوبہ۔

فہمیدہ کی طرح ہر وہ عورت جس نے اپنے حقوق کے لیئے آواز بلند کی ہے اسے آبرو باختہ اور بری عورت قرار دیا گیا ہے۔ پاکستان کی ممتاز مصنفہ کشور ناہید بھی انہیں خواتین کی رہنماؤں میں شمار کی جاتی ہیں جو سماجی جبر سے آزاد ہو کر معاشرے میں مساوی حق کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں۔ ان کی اپنی کتاب کا عنوان ہی، ''بُری عورت کی کتھا ہے''۔ چونکہ پاکستان میں کسی بھی آزاد خیال دانشور کو پابندیاں جھیلنا پڑتی ہیں، اور ان کی نہ صرف یہ کہ سطریں قطع کی جاتی ہیں بلکہ ان کے ہاتھ بھی حقیقتاً قلم کیئے جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے کشور ناہید نے لکھا ''برِ صغیر کے معاشرہ نے ۱۹۴۰ سے لے کر اب تک جس طرح اپنے کو بدلا ہے۔ ان تبدیلیوں نے کس طرح ہماری گلیوں، محلوں، اور گھروں سے ہے کر ذہن میں کہاں جالے بُنے ہیں، اور کہاں کھڑکیاں کھولی ہیں، یہ سب احوال اپنا بیان چاہتا ہے۔۔۔ یہ کہانی گلی کی اس عورت کی ہے جو دُکھ میں فاتحہ پڑھتی ہے، راہ چلتوں کو کاٹتی ہے، شہزادے یا خنجر کو اپنے بازوؤں

میں لے کر چلتی ہے۔ میں نے بھی اپنے سارے گھروں کے صحنوں میں جھانکا ہے، اور شاید کہیں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ، بادشاہ ننگا ہے۔''

اسی طرح حنا جیلانی اور اسما جہانگیر کی خواتین اور انسانوں کے حقوق کی جدوجہد سب پر عیاں ہے، اور ان کی کاوشیں نہ صرف یہ کہ اب پاکستان کی تاریخ کا حصہ ہیں بلکہ تازمانہ لوگوں کو راہ دکھاتی رہیں گی۔ ہمارے کینیڈا میں ممتاز شاعرہ نسیم سید نے اپنے پہلے مجموعہ کلام کا عنوان ''آدھی گواہی'' رکھا تھا اور اس مجموعہ میں خواتین کی ان دشواریوں کا ذکر کیا تھا جو انہیں روز جھیلنی پڑتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی مظلوم خواتین کے عزم اور ہمت کی بھی بات کی تھی اور ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ خواتین کی جبلت میں ہر انسان کی طرح جبر سے آزادی کی وہی خواہش جلوہ گر ہوتی ہے جو کسی مرد کے دل میں بھی دھڑک رہی ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم فیض کے کلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس رستہ میں سنگِ دشنام اور تیرِ الزام بھی سہنے پڑتے ہیں۔ وہ قدامت پرست اور حق دشمن لوگ جو خواتین کو سماجی جبر اور ظلم کی چکی میں پستا ہوا رکھنا چاہتے ہیں وہ پہلے تو خواتین کو اور خصوصاً مسلم خواتین کو صحائف کے حوالوں سے یہ سبق دیتے رہتے ہیں کہ انہیں تمام تر حقوق حاصل ہیں، مرد کی تابعداری دراصل خود خواتین ہی کے حق میں بہتر ہے، اور یہ کہ جو خواتین مساوی حقوق طلب کرتی ہیں وہ دراصل اخلاق باختہ خواہشیں رکھتی ہیں، اس لیئے انہیں اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جب اس سے کام نہیں چلتا تو وہ ان خواتین اور حضرات کو جو خواتین کے حق کی جدوجہد کرتے ہیں، ظلم کے خلاف بات کرتے ہیں، یا غیرت کے نام قتل کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، ان سب کو روشن خیال اور لبرل (گویا کہ یہ لفظ کوئی گالی ہے) قرار دیتے ہوئے ان پر سخت ترین الفاظ میں تنقید کرتے ہیں۔

ہمارے کینیڈا میں چند سال قبل ایک پاکستانی معصومہ کو اس کے باپ اور بھائی نے غیرت کے نام پر قتل کر دیا تھا۔ اس پر بات کرتے ہوئے کینیڈا کی ایک خاتون نے یہ سطور تحریر کیں تھی، جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ لوگ جو حقیقی قدامت پرست ہیں، انسانی حقوق کی جدوجہد کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ کینیڈا میں باپ اور بھائی باپ کے ہاتھوں قتل ہونے والی سولہ سالہ پاکستانی نژاد اقصیٰ پرویز کے بارے میں جو لکھا گیا، ملاحظہ ہو، یہ تحریر ''میرا اسلام ہی میرا مجرم ٹھہرا کے عنوان سے ہے۔ شہادتوں کے مطابق اقصیٰ کو اس لیئے قتل کیا گیا کہ وہ اپنے باپ کے جبر پر حجاب نہیں پہننا چاہتی تھی، اور کینیڈا میں عام مسلمان لڑکیوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ وہ لکھتی ہیں یہاں کا اور مغرب کا میڈیا (کسی ہندو صحافی کی خاص عنایت اس خبر میں ضرور شامل ہوتی ہے جس میں کسی پاکستانی مسلمان کا نام ہو)، جو بھی کرتا ہے۔۔ دکھ اس وقت بڑھ جاتا ہے جب کوئی نام نہاد لبرل مسلمان اسکالر اپنی اپنی چونچیں کھولتے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ملا اور مولوی مذہب کے نام پر ایک اچھا خاص بزنس رن کرتے ہیں تو دوسری طرف ایسے برساتی مینڈک بھی ایسی کسی خبر پر پھدکتے بلوں سے نکل آتے ہیں۔۔۔ مولوی کو حلوے کا لالچ اور اس لبرل اسکالر کو شہرت اور بلاوجہ کی بیان بازی کا نادر موقع مل جاتا ہے۔۔۔ جتنے مذہب کے لیئے قاتل ان پڑھ مولوی ہیں ان سے بڑھ کر یہ نام نہاد لبرل اسکالرز ہیں جو فوراً اسلام کی بنیاد پرستی پر لمبے لمبے کالم لکھ کر یہاں کے میڈیا میں ہندوؤں کے برابر مقام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ اسلام ہمارے لیئے قابلِ فخر مذہب ہے اسے ہمارا فخر رہنے دیا جائے اسے ہر جرم کی وجہ یا جرم کا پس منظر بنا کر نہ پیش کیا جائے تو اچھا ہوگا۔ اسلام زندہ باد، نام نہاد جدید اسکالر مردہ باد۔ اگر ہم مولوی سے خوش نہیں ہیں تو اس لبرل اسکالر سے باقاعدہ نفرت کرتے ہیں۔'' اس اقصیٰ پرویز کے لیئے دعائے مغفرت۔۔۔ ہم اقصیٰ پرویز کے لیئے جتنے بھی رنجیدہ ہو جائیں ہمارا غم اس باپ کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی نہیں جس نے اسے پالا پوسا، بڑا کیا، اور پھر نجانے کیوں اپنے ہی ہاتھوں مار دیا۔۔ ہمارا غم اس کے سامنے کچھ نہیں ہے۔۔ بے شک اس کا دکھ بہت بڑا ہے۔۔۔''

اب تک کی سطور پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ خواتین کے حقوق کے بارے میں اور روشن خیالی کی ضمن میں ہمارے انسانی حقوق کے کارکنوں کی فکر میں اور قدامت پرستوں میں کتنا بُعد ہے۔ اس کے باوجود خواتین کے حقوق کی جدوجہد جاری وساری ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں پاکستانی خواتین نے اپنے ہم قدم روشن خیال اور خوش فکر لوگوں کے ساتھ چل کر رفتہ رفتہ کچھ حقوق حاصل کیئے ہیں جو چاہے علامتی ہی کیوں نہ ہوں، آگے کی راہ سجھاتے ہیں۔ اسی طرح خواتین پر تشدد کے خلاف، وٹہ سٹہ کی شادیوں اور کارو کاری کے خلاف بھی کچھ قانون بنے ہیں، گو معاشرہ کو ان پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے میں ابھی بہت وقت لگے گا۔ لیکن بقولِ فیض روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں۔

یہاں ہم اس بات کا اعادہ ضرور کریں گے کہ امید کی چند کرنیں نظر آنے کے باجود ہماری خواتین کی جدوجہد بہت طولانی اور کٹھن ہے۔ حال ہی میں خواتین کے روزگار کے بارے میں شایع ہونے والی ایک عالمی رپورٹ کے مطابق، پاکستان کی خواتین معاشرہ میں تنخواہ دار ملازمتوں کے معاملہ افریقہ کے پسماندہ ملک ''برونڈی'' سے بھی پیچھے ہیں۔ اسی طرح خواتین کی انسانی ترقی کے اشاریوں میں پاکستان کا شمار دنیا کے پسماندہ ترین ملکوں میں ہوتا ہے۔ ہم پر اور آپ پر لازم ہے کہ ہم اپنی خواتین کو مذہب، سماج، معاشرہ، اور مردوں کے جبر سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔